ہفتہ وار
ہریجن
چندہ سالانہ پانچ روپے
فی پرچہ پانچ پیسے۔
ایڈیٹر
(ڈاکٹر) گوپی چند بھارگو
جلد ۱ | لاہور - سوموار ۲۰ / اپریل سنہ ۱۹۴۲ء | نمبر ۱

ڈاک کا تھیلہ

فرقہ وارانہ یونیورسٹیاں

سوال - آپ نے کرکٹ کے کھیل میں فرقہ داری کے خلاف کئی بار اظہار خیال فرمایا ہے۔ فرقہ وارانہ طریقوں پر چلنے والی یونیورسٹیوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ جن کالجوں اور ہوسٹلوں میں ہر ایک کو بلا امتیاز مذہب و ملت داخلہ کی اجازت ہے وہاں طلبا میں گہری دوستی اور مذہبی رواداری کا ہونا قدرتی ہے۔ اگر مختلف یونیورسٹیوں میں شستہ کہ تمدن کے مطالعہ کے لئے خاطر خواہ انتظام کر دیا جائے تو یہ قدم لازماً ہندوستانی معاشرت کی ترقی و فلاح کا سبب ہوگا۔

جواب - آپ کا کہنا بالکل بجا ہے۔ اگر ہم فرقہ وارانہ انجمنوں کے بغیر ہی گذارہ کر سکیں تو اور کیا چاہئے۔ لیکن جس یقین اور وثوق کے ساتھ میں ہندو یا مسلم کرکٹ کے خاتمہ کے لئے آواز بلند کر سکتا ہوں۔ فرقہ وارانہ تعلیمی درسگاہوں کے بند کئے جانے کے متعلق میں اصرار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرا یقین ہے کہ ایسی درسگاہیں بشرطیکہ ایمانداری کے ساتھ چلائی جائیں قومی خدمت سرانجام دے سکتی ہیں اور وقت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ لیکن ہندو کرکٹ اور مسلم کرکٹ کا تصور تو ہرگز دلیل کی کسوٹی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ میں آپ سے پورا اتفاق رکھتا ہوں کہ ایسے کالجوں اور ہوسٹلوں کی بہت ضرورت ہے جن میں فرقہ داری کے لئے کوئی جگہ نہ ہو۔ اور ایسی درسگاہیں موجود بھی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہاں بھی ہندو مسلم کشیدگی کا زہر سرایت کر گیا ہے۔ خدا کرے ہمیں اس لعنت سے جلد چھٹکارا نصیب ہو۔

جب لیڈروں میں اختلاف ہو

س - آپ نے فرمایا ہے کہ بعض حالات میں شہروں میں بسنے والوں کو چاہئے کہ گنجان آباد بستیوں سے نکل جائیں۔ برعکس اس کے پنڈت جواہر لال اور راج گوپال آچاریہ جی ہدایت کرتے ہیں کہ کسی وجہ سے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ کیا آپ ہماری رہنمائی کے لئے بتائینگے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

ج - میں آپ کی الجھن کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں تو صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ اپنی عقل و دانش سے کام لیں۔ اور جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔ ہم ایک نہایت نازک زمانے سے گذر رہے ہیں۔ ہم نے پہلے کبھی ایسے حالات نہیں دیکھے۔ تاہم مجھے اپنی پوزیشن کے بارے میں رتی بھر بھی شک نہیں۔ خطرہ کی زد میں آنے ہوئے شہروں سے فالتو لوگ اگر نکل جائیں تو اس میں بھلائی ہی ہے۔ اگر ہم ضابطہ اور ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹتے ہیں تو اس میں ڈرپوک ہونے کی کیا گنجائش ہے عورتیں۔ بچے اور عمر رسیدہ اشخاص اور دیگر بیکار لوگ اگر شہروں کو چھوڑ کر چلے جاویں تو محافظ فوجیں زیادہ آسانی سے بچاؤ کا انتظام کر سکتی ہیں۔ پناہ گزینوں کی ہمت اور حوصلہ اسی میں ہے کہ وہ دیہات میں جا کر آباد ہو جائیں اور کسانوں کی سیوا کریں۔ آپ لیڈروں کے اختلافات کو نظرانداز کر دیں۔ ہمارے اختلافات خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہیں اس لئے قومی ترقی کے شاہد ہیں۔

خدائی خدمتگار کیمپ ٹوپی

ٹوپی تحصیل صوابی کا کیمپ یکم اپریل سے ۱۴ اپریل تک رہا قریباً ۵۱۷ آدمی اس میں شریک ہوئے کل خرچ قریباً ایک سو روپیہ ہوا۔ جس میں ۴۰ روپے کرایہ چھولداری تھا۔ ۱۰ روپے میس خرچ اور باقی خرچ خوراک۔ ہر ایک کے پاس چرخے تھے۔ تقریروں، نظموں اور بات چیت کے ذریعہ چرخہ و تعمیری پروگرام کی اہمیت کو بہت اچھی طرح سے سمجھایا گیا۔ صبح آٹھ بجے کے قریب پندرہ پندرہ آدمی پارٹیوں میں تقسیم ہو کر ارد گرد کے مختلف دیہاتوں میں صفائی اور چرخہ پرچار کے لئے چلے جاتے تھے۔ اکثر کے پاس جھاڑو ہوتے تھے اور کچھ کے پاس چرخے۔ گاؤں میں چند آدمی صفائی کا کام کرتے تھے اور چند آدمی چرخہ چلاتے تھے۔ ۲ بجے سے ۴ بجے تک سب مل کر کاتتے تھے۔ ارد گرد کے دیہاتوں سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں بچے، بوڑھے اور نوجوان دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ شام کے کھانے اور حاضری کے بعد بادشاہ خان کیمپ میں جمع شدہ خدائی خدمتگاروں کو اپنا آئندہ کا پروگرام سمجھاتے تھے۔ کیمپ میں ہم پانچ ہندو تھے۔ علاقہ چھچھ سے بھی کچھ بھائی شریک ہوئے۔ خوراک بالکل سادہ ہوتی تھی۔ صبح ایک سبزی اور شام کو دال پکتی تھی۔ مکی اور گندم کے ملے جلے آٹے کی روٹی ملتی تھی۔ ۱۴ اپریل کے آخری جلسے میں بادشاہ خان نے تقریر کی۔ اس میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے اور کئی گھنٹے تپتی دھوپ میں بیٹھ کر جلسے کا انتظار کرتے رہے۔ بہت سی پٹھان عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ کیمپ گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا ٹھیک انہی دنوں میں ورکنگ کمیٹی اور سر سٹیفورڈ کرپس کے درمیان

دہلی میں گفت و شنید ہو رہی تھی کہ ہندوستان کی تشدد کی فوج کا انتظام انگریزوں کے ہاتھ میں ہو یا کہ ہندوستانیوں کے۔ لیکن بادشاہ خان کو اس بحث میں بالکل کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ چھاؤنی اور چرخہ ہاتھ میں لئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر گھر پھر رہے تھے اور لوگوں کو یہ سمجھا رہے تھے کہ عدم تشدد پر مبنی خدائی خدمتگار فوج ہی آنے والے وقتوں میں ملک میں امن قائم رکھ سکتی ہے۔ اور ملک کو تباہی اور بربادی سے بچا سکتی ہے۔ شہری لوگوں کو وہ یہی مشورہ دے رہے ہیں۔ کہ اگر وہ سچا ہندو مسلم اتحاد قائم کریں اور غریب دیہاتیوں کی خدمت کے کاموں میں لگ جائیں تو انہیں آنے والے وقتوں میں ہرگز کوئی خطرہ نہیں۔ پٹھان عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ قومی خدمت عورتوں کے لئے بھی ویسا ہی فرض ہے جیسا کہ مردوں کے لئے۔ بغیر ان کی امداد کے مرد بھی سچے خدائی خدمتگار نہیں بن سکیں گے ؛

بنگال مصیبت میں

بنگال فرقہ وارانہ فسادات کی آگ سے برباد ہو چکا ہے۔ قحط اسے پامال کر رہا ہے۔ اور اب یہ جاپان کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ فوجی تباہی ناگزیر ہو گئی ہے جس کا مطلب ہے۔ دیہاتیوں کی بے دخلی۔ ستیش بابو نے جیت پور کے نزدیک بے دخلی کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے۔ ۳۲ دیہاتوں کو نہایت مختصر نوٹس کے ذریعہ بے دخل کیا گیا۔ نوٹس جن کی تعمیل کرائی گئی اس پر یکم اپریل کی تاریخ تھی۔ مگر ان کی تعمیل ۴۔ اپریل سے پہلے نہ ہو سکی۔ اور دیہاتیوں کو ۴ تاریخ کو گاؤں خالی کرنا تھا۔ اور اسی روز فوج وہاں داخل ہو گئی۔ ایک گاؤں کے دیہاتیوں کو اسی روز نوٹس ملے جس روز فوج کو داخل ہونا تھا۔ بے دخل ہونے والوں کو عام قاعدہ کے مطابق ۱۰۰ روپیہ فی کس بے دخلی کا معاوضہ دیا گیا۔ نقصان کا اندازہ لگا کر پورا معاوضہ بعد میں دیا جاوے گا۔ خالی کرانے کے قاعدے سادہ اور مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ خواہ یہ قاعدے کتنے ہی جائز اور درست کیوں نہ ہوں۔ ایک دم خالی کرنے میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ ان قاعدوں کی تکمیل کا کام بہت سے اور معمولی نوکری پیشہ اصحاب کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی جائز تکمیل کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ ان حالات میں ستیش بابو جیسے کارکن جو زیادہ سے زیادہ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو تسلی دیں۔ اور ان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ناگزیر مصیبتوں اور آفتوں کا نہایت صبر اور بہادری سے مقابلہ کرنا سکھائیں اور دلی تسکین حاصل کریں۔ جب تک وہ اپنے نام نہاد آرام دہندگان کی طرف سے مایوس نہ کر دیئے جائیں۔ وہ اپنے بہترین جذبات کا اظہار کرتے رہیں۔ اور نہایت خندہ دلی سے ہر ایک آفت کا سامنا کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکام غریبوں کی مصیبتوں سے لاپرواہ ہو جائیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ حالت میں جبکہ انہیں فوج کو اچانک ہی وہاں ٹھہرانا مقصود تھا انہیں کیا کرنا چاہئے تھا۔ ایک آنا ڑی اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کہ فوجی افسروں کو اس بات کا قبل از وقت خیال کر کے مناسب وقت پر تمام انتظامات پیشتر سے ہی کر دینے چاہئیں تھے ؛

سیواگرام ۱۴۔ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء　　ایم۔ کے گاندھی۔

صوبہ سرحد میں تعمیری کام

خان عبدالغفار خان، شری گردھاری لال پوری اور سرحد کے دو بے شمار کارکنوں کی طرف سے تعمیری پروگرام کو چلانے کے لئے جس سرگرمی اور تندہی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ وہ بے حد قابل تعریف ہے۔ اس کام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پچھلے کچھ عرصہ میں کئی کیمپ جاری ہوئے۔ جن میں کارکنوں کو تعمیری پروگرام کے عملی سبق دیئے گئے اور لوگوں کو تعمیری پروگرام کی اہمیت بتلائی گئی۔ تعمیری پروگرام کی اس حوصلہ افزا رفتار سے متاثر ہو کر وہاں کے ایک رئیس نے پانچ ہزار روپیہ کی گرانقدر رقم کا ایک چیک اس پروگرام کو اور زیادہ تیزی سے چلانے کے لئے خان عبدالغفار خان کے نام بھیجا ہے خدا کرے کہ یہ کام دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے ؛

حصار کا قحط اور کتائی کا کام

ڈاکٹر گوپی چند بھارگو مجھ سے حصار کے قحط کے متعلق بات چیت کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کا قحط مستقل شکل اختیار کر گیا ہے چرخہ سنگھ کئی برسوں سے وہاں کتائی کے ذریعہ قحط زدہ لوگوں کی مدد کا کام کر رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ اگر وہاں زیادہ سرمائے سے کام کیا جا سکے تو ان لوگوں کی بہت زیادہ امداد کی جا سکتی ہے۔ ہر جگہ کافی مصیبت کا سامنا ہے۔ اور قیامت خیز جنگ کی وجہ سے اس مصیبت کے بڑھنے کا اور بھی اندیشہ ہے۔ اس لئے ہر مقام پر مقامی انسانی ہمدردی اور خیرات پر ہی بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات غریب اور فاقہ مست لوگوں کے علاقہ میں کچھ امیر اور سرمایہ دار لوگ بھی مل جاتے ہیں۔ بھوانی حصار کا ایک بڑا تجارتی مرکز ہے۔ اور وہاں بہت سے امیر لوگ بھی رہتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ بھوانی اور حصار کے دوسرے لوگ مصیبت زدہ عوام کی مدد کو آئیں گے۔ اور اس ضمن میں ان سے جو کچھ بھی ہو سکیگا وہ کریں گے ؛

سیواگرام ۔ ۱۲۔ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء　　ایم۔ کے۔ گاندھی

لالہ شنکر لال

مجھے دہلی سے لالہ شنکر لال کے ساتھ جیل میں کئے گئے سلوک کے بارہ میں خطوط موصول ہوئے ہیں ان میں لکھا ہے کہ وہ سردار سردول سنگھ کویشر سے کسی طرح بھی بہتر حالت میں نہیں ہیں۔ مجھے لالہ شنکر لال کی سیاست یا انکے خیالات سے سروکار نہیں مگر انکے بارہ میں بھی میں وہی کہونگا جو کویشر صاحب کے بارہ میں کہہ چکا ہوں وہ اچھے اور انسانی سلوک کے اتنے ہی مستحق ہیں جتنے کہ کویشر جی۔ ذیل کی سطور انکے بھتیجے کے قلم سے ہیں "میں ۲۳ ماہ حال کو شام کے ساڑھے تین بجے اپنی چچی لالہ شنکر لال جی کی دھرم پتنی کے ہمراہ ملاقات کیلئے گیا۔ انہیں دیکھتے ہی مجھے فوراً ہی انکی صحت کی زبردست گراوٹ اور کمزوری کا احساس ہوا۔ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے ان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور کافی اتر گیا تھا۔ میری پریشانی اور رنج کی حد نہ رہی جب مجھے معلوم ہوا کہ انہیں دن رات ایک ایسی تاریک مرطوب اور گندی کوٹھڑی میں رکھا جاتا ہے جو لالہ جی کی حیثیت کے شریف آدمی کیلئے تو کیا ایک اخلاقی مجرم کیلئے بھی موزوں نہیں خیال کیا جا سکتی" ؛

اگر یہ بیان درست ہے تو معاملہ فوری توجہ کے قابل ہے اور اسکی اصلاح لازم ہے ؛

سیواگرام ۔ ۱۳-۴-۴۲　　ایم۔ کے۔ گاندھی

ڈاکٹر گوپی چند بھارگو کی اُردو دان پبلک سے اپیل

ہفتہ وار اُردو ہری جن کا پہلا پرچہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اِس زبان میں اس اخبار کی بہت دیر سے ایک خاص ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ گاندھی جی کے مضامین ہری جن میں نکلتے رہتے ہیں۔ یہ اخبار انگریزی۔ ہندی۔ گجراتی اور مرہٹی زبان میں شائع ہو رہا ہے۔ گاندھی جی کے مضامین کچھ روزانہ اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اِس امر کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ گاندھی جی کے تمام مضامین اُردو دان پبلک کے فائدہ کے لئے اُردو میں بھی شائع ہوا کریں۔ ہمارا ارادہ تو ۱۹۴۰ء میں ہی بن گیا تھا کہ ہری جن کا اُردو ایڈیشن لاہور سے شائع کیا جاوے مگر گاندھی جی کے اخبارات پر پابندیاں لگ جانے کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اب جب گاندھی جی کے اخبارات دوبارہ جاری ہوئے تو ہم نے بھی اُردو ایڈیشن کے لئے ڈیکلریشن داخل کر دیا جو منظور ہو گیا۔

ہری جن (اُردو) ہر اتوار کی شام کو لاہور سے شائع ہو کر دوسرے روز صبح ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچ جایا کرے گا۔ دُوسری زبانوں کے ہری جن بھی اُسی روز کی ڈاک میں تقسیم ہوا کرینگے۔ اُردو ایڈیشن کے مضامین بھی وہی ہونگے۔ کیونکہ گاندھی جی نے کمال مہربانی سے ہری جن کے مضامین کی نقل پیشگی بھجوانے کا اقرار فرمایا ہے۔

گاندھی جی کے اصول کے مطابق اِس اخبار میں کوئی اشتہار شائع نہ ہو سکے گا۔ یعنی سارا اخبار ہی ریڈنگ میٹر سے بھرا رہیگا۔ اِس لئے خیالات اور ریڈنگ میٹر کے لحاظ سے یہ اخبار ایک قابلِ قدر اخبار رہوگا۔

اِس اخبار کو جاری کرنے کا بوجھ پنجاب گرام سیوا منڈل نے اپنے کندھوں پر لیا ہے۔ لیکن منڈل اپنے اِس نیک مشن میں تبھی کامیاب ہو سکتا ہے جب ہمارے سب ہمدرد ہماری اِس کام میں پُوری پُوری امداد کریں۔ کاغذ کی اِس گرانی اور نایابی کے زمانہ میں بھی ہمارے اِس قدم کے اُٹھانے کا اور کوئی مطلب نہیں کہ ہم مصیبتوں اور مُشکلات کے موجودہ زمانے میں گاندھی جی کے خیالات عوام تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ یہی وہ خیالات ہیں جو لوگوں کو نڈر اور بے خوف بنا کر اور اُن میں بلند حوصلگی پیدا کر کے اُنہیں صحیح منزلِ مقصود تک لے جا سکتے ہیں۔

ہماری کامیابی کا تمام تر دارومدار اِس امر پر موقوف ہے کہ ہمارے خریداروں میں روز افزوں اضافہ ہو۔ اخبار کا سالانہ چندہ پانچ روپے مقرر کیا گیا ہے۔

آخر میں میں اپنے تمام دوستوں اور ہمدرد اصحاب سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہمارے اِس نئے خدمت کے کام میں مقدور بھر امداد دیں ۔

گرام اُدیوگ سنگھ کی صوبائی برانچیں

گرام اُدیوگ سنگھ کے کام کو بڑھانے اور اُسے نئی شکل دینے کے لئے صوبائی برانچوں کی تنظیم کی جا رہی ہے۔ ہر ایک صوبائی برانچ اپنا مرکز دیہاتی فضا میں قایم کریگی۔ اِس مرکز میں تجربے۔ پیداوار اور کارکنان کو سکھلانے کیلئے آٹا پیسنے ہاتھ کُٹے چاول تیار کرنے۔ گُڑ بنانے۔ کوہلو سے تیل نکالنے۔ شہد کی مکھیوں کے چھتے پالنے۔ صابون سازی۔ کاغذ بنانے۔ چمڑے کی رنگائی۔ مٹی کے برتن بنانے۔ بٹن تیار کرنے۔ چٹائی بنانے کے کام کے علاوہ بڑھئی اور لوہار کا کام بھی ہو سکے گا۔ جب مرکز میں کام اچھی طرح چل نکلے۔ تب وہاں ایک ایسی درسگاہ بھی قایم کی جا سکتی ہے۔ جہاں لوگوں کو اِن دستکاریوں کی عملی تعلیم دی جا سکے۔ اور اُن کی ضروری واقفیت کرائی جا سکے۔ گرام اُدیوگ سنگھ کی طرف سے شائع کردہ لٹریچر کو صوبہ کی زبان میں شائع کیا جا سکے۔ اور مرکز کی طرف سے دیہاتی صنعتوں کے استعمال اور فروغ کے لئے کام کیا جا سکے۔ اِس مقصد کی تکمیل کے لئے عدم تشدد کی خُوبیوں کو عوام پر واضح کیا جاوے گا۔ نمائشیں دکھلائی جاوینگی اور عوام کی واقفیت کے لئے میوزیم بھی کھولے جاوینگے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ دیہاتی صنعتوں کے ذریعہ کس طرح پیداوار بڑھائی جا سکتی ہے۔ ایسی دوکانیں جہاں خالص دیہاتی اشیاء مل سکیں، کھلوانے اور اُن کے تصدیق کرانے کے کام میں لوگوں کی رہنمائی کی جاوے گی۔ پیداوار کے تصدیق شدہ مراکز کی دیکھ بھال گرام اُدیوگ سنگھ کی طرف سے ہوگی۔ اور اِس مقصد کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کو گرام اُدیوگ سنگھ سے ملحق کیا جا سکے گا۔

اِن دنوں ہندوستان کے طول و عرض میں بکھرے ہوئے کئی مرکز کام کر رہے ہیں۔ مگر وہ کسی شیرازہ میں نہیں ہیں۔ اِن کے علاوہ گرام سیوک ودیالیہ وردھا کے تربیت یافتہ کئی کارکن بھی مختلف مقامات پر کام کر رہے ہیں کچھ لوگ اور بھی ہیں۔ جو کوئی تعمیری کام کر کے مُلک اور قوم کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اُنہیں کیسے اور کیونکر کام شروع کرنا ہے؟ ایسے تمام اصحاب کو ہمارے صوبائی نمائندوں کے ساتھ تعلق پیدا کر کے صوبائی مراکز کی تنظیم کے کام کو کامیاب بنانا چاہیئے پنجاب میں اِس کام کی تنظیم کے لئے ڈاکٹر گوپی چند جی بھارگو مقرر ہوئے ہیں۔

ایسے تمام لوگوں کو جو اِس کام میں دلچسپی رکھتے ہیں اُنہیں گرام اُدیوگ سنگھ کا ممبر بن کر اِس پروگرام کو آگے لے جانے میں مقدور بھر کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی میں اُن کی بھلائی ہے۔ اِسی میں اُن کے غریب اور فاقہ مست ہموطنوں کی بھلائی ہے۔ ہندوستان کے سات لاکھ دیہات کی ترقی اور خوشحالی کے بغیر ہندوستان کے چالیس کروڑ باشندے اپنا سر فخر سے اُونچا نہیں کر سکتے ۔

ہفتہ وار

ہریجن لاہور

جلد اول لاہور سوموار ۲۰ اپریل ۱۹۴۲ء نمبر ۱

بدنصیب تجاویز

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ برطانوی سرکار نے سیاسی ڈیڈلاک کو ختم کرنے کے لئے ایسی تجاویز بھیجی ہیں جو بظاہر اتنی فضول اور نکمی ہیں کہ کسی طبقہ کے لئے بھی انہیں منظور کرنا مشکل ہے۔ یہ اور بھی بدقسمتی ہے کہ تجاویز لانے والے سر سٹیفرڈ کرپس ہیں جنکے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ بڑے ریڈیکل اور ہندوستان کے دوست ہیں۔ مجھے انکی خیرخواہی پر کوئی شبہ نہیں کیونکہ ان کا ایسا وشواس تھا کہ ہندوستان کے لئے اس سے بہتر تجاویز اور کوئی نہ لا سکتا تھا۔ لیکن انہیں اس بات کا علم ہونا چاہئے تھا کہ کانگریس تو درجہ نوآبادیات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گی خواہ اس میں یہ بات ہی کیوں نہ ہو کہ اسے قبول کرتے ہی علیٰحدگی کے حق کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ انہیں اس امر کا بھی علم تھا کہ ان تجاویز میں ہندوستان کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کی سکیم تھی اور ہر حصہ میں حکومت چلانے کا نیا نیا طریقہ تھا۔ ان تجاویز میں پاکستان بھی تھا۔ اگرچہ وہ مسلم لیگ کے نظریئے کا پاکستان نہیں تھا۔ سب سے اہم بات تو یہ تھی کہ ان تجاویز سے ڈیفنس کے متعلق عوام کے ذمہ دار وزرا کو کوئی اصل اختیار حاصل نہیں ہوتا تھا۔

امر واقع یہ ہے کہ سر سٹیفورڈ کرپس سامراج شاہی مشین کے ایک پرزے بن گئے ہیں اور غیر ارادی طور پر اس مشین کی خصلتوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ سامراج شاہی کی خصوصیات ہی ایسی ہیں۔ میرا تو یہ مدت سے تجربہ ہے کہ وہ ہندوستانی جو اس سامراج شاہی کی نوکری میں کھچے جاتے ہیں اپنی اصلیت کو کھو کر اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح سامراج شاہی کی خدمات بجا لاتے ہیں اور بسا اوقات اس سامراجی مولوک کی وفاداری میں اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی پچھاڑ دیتے ہیں۔

اگر سر سٹیفورڈ کرپس غیر جانبدار اور بے لوث رہ کر اس مشکل مشین کو ہاتھ میں لینے سے پہلے ہندوستان میں رہنے والے ریڈیکل دوستوں کی قبولیت حاصل کر سکتے تو بہتر ہوتا۔ اگر اسکے جواب میں یہ کہا جائے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے تو پھر میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ سامراج شاہی کی مشین کا پرزہ بن کر وہ بھی اسکی سحر انگیزیوں سے نہ بچ سکے اور بالکل صاف و عیاں بات بھی کرنا بھول گئے۔

لیکن اب زمانہ ماضی کے واقعات اور برطانیہ کی غلطیوں پر افسوس کرنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ اب تو اپنی کمزوریوں کی طرف نگاہ ڈالنا زیادہ مفید ہے۔ اگر ہم خود اپنا خیال رکھیں گے تو برطانیہ خود بخود اپنا خیال کیے گا۔ ہماری اپنی کوتاہیاں اور غلطیاں بہت ہیں۔ اپنی مجبوریوں اور معذوریوں سے ہم برطانیہ کو الزام دیتے ہیں۔ فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کئے بغیر ملکی آزادی کا حل ہونا ناممکن ہے۔ ہمیں اس ظاہر اسچائی سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے۔ اس مسئلہ کو کیونکر حل کیا جائے؟ یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ جب تک ہم یہ خیال کرتے رہیں گے کہ اس مسئلہ کے حل کئے بغیر متفقہ طور پر یا جزوی طور پر کوئی ایک طبقہ آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ اس وقت تک اس کا حل مشکل ہے۔ اس مسئلہ کو جسے حل کرنا ناممکن سمجھا جاتا ہے صرف دو طریقوں سے حل کیا جا سکتا ہے۔ پہلا شاہی راستہ عدم تشدد کا ہے اور دوسرا تشدد کا۔ پہلے طریقہ میں دوسرے فریق کی بھی رضامندی یا تعاون غیر ضروری ہے۔ جیسے اگر دو بچوں کے درمیان سیب کے متعلق جھگڑا ہو جائے تو ایک کہتا ہے کہ سیب میرا ہے اور دوسرا کہتا ہے میرا۔ عدم تشدد کا طریقہ تو یہ ہے کہ ایک لڑکا سیب کو دوسرے کے لئے چھوڑ دے۔ دوسرے کو صاف طور پر ظاہر ہوگا کہ پہلا لڑکا سیب کا اپنا حصہ اس کے حق میں چھوڑ کر ایک طرح سے عدم تعاون کر رہا ہے۔ دوسرا عام طریقہ ہے تشدد کا طریقہ۔ اس میں دونوں فریق آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں حتیٰ کہ ایک فریق ہار جاتا ہے۔ آزادی سے پریم رکھنے والوں کو دونوں طریقوں سے ایک کو منتخب کرنا ہے۔ میرے خیال میں ملک کے رہنماؤں نے اپنا انتخاب کر لیا ہے لیکن عوام کو ابھی تک اپنے رجحانات کا پتہ نہیں۔ عوام کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ سوچ سکتے ہیں تو خود آزادانہ طور پر سوچ بچار کریں اور اتحاد حاصل کرنے کے لئے عدم تشدد کے طریقہ کو اختیار کریں۔ اگر ہندو اور مسلمان یہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ایک دوسرے سے مل جل کر رہنا عین ممکن ہے نہیں نہیں بلکہ نہایت ضروری ہے تو پھر عدم تشدد کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جن اصحاب کا اعتقاد دو قوموں کے نظریہ میں ہے اور جو ہندوستان کو فرقہ وارانہ طریقہ سے تقسیم کرنا چاہتے ہیں آیا وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے کو تیار ہیں۔ مجھے تو اس کا خود کوئی علم نہیں۔ اگر مسلمانوں کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ وہ ایک علیحدہ قوم ہیں اور ہندوؤں یا دوسروں کے ساتھ ان کا کچھ بھی مشترک نہیں ہے تو کوئی بھی طاقت انہیں دوسری طرح سوچنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اور اگر وہ اس طریقہ سے ہندوستان کے حصے بخرے کرنا چاہتے ہیں اور ہندو اس بات کے خلاف جھگڑنا نہیں چاہتے تو انہیں ایسی تقسیم کر لینی چاہئے۔ جہاں تک میری نگاہ کام کرتی ہے اس تقسیم پر چپ چاپ دونوں طبقوں کی طرف سے عمل ہو رہا ہے۔ اس طرح تو اپنی قبر ہم خود کھود رہے ہیں۔ اگر ہم اس پر کاربند رہے تو ہر فریق کو برطانوی یا اور کسی غیر ملکی امداد کی ضرورت رہے گی۔ اور اس حالت میں ہمارا آزاد ہونا ناممکن ہے اور پھر ہماری لڑائی آزادی کے لئے نہیں ہوگی بلکہ خیالی سیب کے لئے خیالی بچوں کی ہی جنگ ہوگی۔ میں تو ایسے نظارے کے دیکھنے کی تاب بھی نہیں لا سکتا۔ کم از کم میں تو اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے یہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے دونوں فرقوں کو شانہ بہ شانہ آزادی کی خاطر لڑتے ہوئے دیکھ کر آنند آئے گا۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ جب ہم آزادی کی خاطر لڑائی شروع کریں گے تو ہم اپنے ان فضول جھگڑوں کو بھی بھول جائیں گے۔ اگر ہمیں ان فضول باتوں پر جھگڑا کرنا ہی مقصود ہو تو آزادی کے بعد بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

بندشِ شراب کی پوری تائید

(۱)

۱۹۲۰ء میں جب کانگریس نے عدم تعاون شروع کیا۔ اُس کے تعمیری پروگرام میں شراب افیم وغیرہ منشی اشیاء کے مکمل بائیکاٹ کو بہت اونچا درجہ دیا گیا تھا۔ اس کی تعمیل میں سارے ہندوستان میں کانگریسی مرد اور عورتوں نے شرابیوں کو سمجھانے اور شراب کی دکانوں پر پُرامن پکٹنگ کرنے کا کام شروع کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ہزارہا لوگوں نے جیل کی سزا کاٹی اور پولیس کے لاٹھی چارج کی اذیت برداشت کی۔ اس لئے جب ۱۹۳۷ء میں کانگریس نے وزارتیں سنبھالیں۔ تو ورکنگ کمیٹی نے اپنے وزیروں کو مشورہ دیا کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے کوشش کرنا اُن کا فرض ہے۔ اور اُن سے یہ اُمید کی گئی کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں تین سال کے اندر مکمل شراب بندی کر دیں۔ اس کے علاوہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے دوسرے صوبوں کی وزارتوں اور ریاستوں سے بھی درخواست کی کہ وہ عوام کی سوشل اور مجلسی ترقی کے خیال سے اس کام کو اپنا کر پورا کریں۔"

مدراس، بمبئی اور بہار کے تین صوبوں نے اس کام کو زور شور سے شروع کیا۔ عوام نے اس پروگرام کا اور اس کے لئے بنائے گئے قوانین کا خوشی خوشی استعمال کیا۔ شراب بندی کی پہل مدراس نے کی۔ شری راج گوپال آچاریہ نے وزارت کا عہدہ سنبھالنے کے تین ماہ کے اندر مجلس قوانین ساز میں بندشِ شراب کا بل پیش کیا۔ بمبئی نے کچھ ماہ بعد اس کام کو ہاتھ میں لیا۔ اور بمبئی و احمد آباد جیسے بڑے صنعتی شہروں میں شراب بندی شروع کر کے اور بھی دلیرانہ قدم اُٹھایا۔ بمبئی میں شراب اور تاڑی کے سوداگروں کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی گئی۔ حالانکہ سرکاری حکم میں ان کے لئے مناسب رعائتیں رکھی گئی تھیں۔ اور امریکہ کے قانون بندشِ شراب کی طرح کسی طور بھی وہ سخت نہ تھا۔ یورپین لوگوں اور شراب کے عادی ہندوستانیوں کو پروانے دیئے جاتے تھے۔ اور شراب بندی کا سارا مقصد ہی عوام کی خاص کر مزدور طبقہ کی دماغی اور مجلسی ترقی کرنا تھا۔

مدراس میں شراب بندی کا نیا قانون بنایا گیا اور بمبئی میں نیا قانون بنانے کی بجائے سرکار نے ۱۸۷۸ء کے پُرانے آبکاری قانون کی دفعہ ۱۴ ب (۲) کی رُو سے فرمان نکال کر کام چلایا۔ اس قانون میں بھی کچھ ایسی دفعات تھیں کہ جن کے مطابق "کسی شخص یا اشخاص کے گروہ کو" اپنے قبضہ میں منشی اشیاء رکھنے سے پُوری طرح روکنے کا حق سرکار کو دیا گیا تھا۔ احمد آباد اور بمبئی میں شراب بندی پر عمل کرانے کے لئے ۱۹۳۸ء میں جو سرکاری اعلان نکالے گئے تھے۔ وہ ان دفعات کی زد سے باہر نہیں جاتے تھے۔ فرق صرف اتنا ہی تھا۔ کہ اُن میں شراب بندی کسی ایک گروہ کی بجائے ساری قوم کے لئے تھی۔

جنہوں نے اس قانون کو توڑا۔ اُن کے خلاف سرکار نے مقدمات چلائے۔ احمد آباد میں ایک شخص کو سزا ہوئی اور بمبئی میں تین اشخاص کو چھوڑ دیا گیا۔ سرکار نے ان تین مقدمات میں اپیل کی اور احمد آباد کے ملزم نے اپنی سزا کے خلاف اپیل کی۔ یہ سب اپیلیں ۱۰ راپریل ۱۹۴۰ء کو ہائیکورٹ میں سماعت کے لئے پیش ہوئیں۔ اور پانچ ججوں کے ایک خاص بنچ نے ان پر غور کیا۔ فاضل ججان کے اس بنچ نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ:-

۱- سرکاری اعلان غیر قانونی ہیں۔

۲- "کسی بھی شخص یا اشخاص کے گروہ" کے سلسلہ میں اعلان نکالا جا سکتا ہے۔ لیکن سرکار کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس دفعہ کا استعمال سب لوگوں پر کرے۔

۳- شراب یا افیم کی تجارت پر کنٹرول یا اُسے قانون کی حد میں رکھنے کا حق سرکار کو ضرور دیا گیا ہے۔ لیکن آبکاری قانون کا یہ ارادہ کبھی نہیں تھا کہ وہ مجلسی سدھار کے طور پر منشی اشیا کے استعمال کو پُوری طرح روکنے کا حق سرکار کو دے۔

بمبئی کے چیف جج نے نہ صرف قانون کے مطلب کی تشریح ہی نہیں کی بلکہ اُس سے آگے بڑھ کر کچھ ایسے دلائل بھی دیئے ہیں جو صاف طور پر شراب کے سوداگروں وغیرہ کے قائم شدہ حقوق کے حق میں دیئے گئے معلوم ہوتے تھے۔ چیف جج نے کہا کہ "اگر کسی شخص یا اشخاص کے گروہ" کے معنی "عام لوگ" کئے جائیں۔ تو ان معنوں میں "موجودہ سرکار کے ہاتھوں میں اتنی زیادہ حکومت آ جاتی ہے کہ سارے آبکاری قانون کے عمل کو ختم کر سکتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ قلم کی ایک جُنبش سے بغیر کسی تنبیہہ اور بغیر کسی معاوضے کا بندوبست کئے اس تجارت کی مالی حالت کو برباد کر سکتی ہے۔ جو شاید کئی برسوں کی محنت سے اور اس یقین سے کہ آبکاری قانون کے مطابق سرکار کی موجودہ پالیسی قائم رہیگی لاکھوں روپیہ خرچ کر کے کھڑی کی گئی ہے"۔

اس چیف جج صاحب نے یہ دلیل جس بیوپار کو چلائے رکھنے کے حق میں دی۔ اُس بیوپار کے بارے میں گلیڈسٹون نے کہا تھا۔ کہ "اس کی وجہ سے (انگلینڈ میں) بربادی ہوئی ہے۔ اور یہ بربادی لڑائی۔ قحط۔ اور پلیگ کے سبب ہونے والی تمام بربادیوں سے زیادہ بربادی ہے"۔ سب جانتے ہیں کہ جن لوگوں نے شراب کے بیوپار میں روپیہ لگایا ہے۔ اُنہوں نے بیس سال کی خبرداری کے باوجود ایسا کیا ہے۔ اگر ۲۰ برسوں کی قومی تحریکوں کے نتائج کے طور پر بہت سے لوگ اپنی مرضی سے شراب چھوڑ دیتے تو پھر شراب کے بیوپاری اور فاضل چیف جج کس پر الزام لگاتے؟

(۲)

لیکن جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے بمبئی ہائی کورٹ کے فیصلے نے وزارت کے کام پر اس سے بھی زیادہ پانی پھیرا۔ فاضل ججان کے اس خاص بنچ نے جو فیصلہ دیا اُس کے بُرے اثر کو زائل کرنے کے لئے بمبئی کے گورنر نے فوراً ہی ایک نیا قانون ــــ ۱۹۴۰ء کا بمبئی آبکاری قانون جاری کیا۔ اس قانون کی رُو سے پہلے کے اعلانوں کو قانون کی شکل دیدی گئی۔ اور قانون کے مقصد کے بارے میں پھیلے ہوئے تمام شکوک کو دُور کرنے کے لئے یہ اعلان کیا گیا کہ یہ قانون شراب بندی کی پالیسی کو تقویت دینے اور اُس پر عمل کرانے کے بارے میں بھی کام آئیگا۔ ہائی کورٹ کے

سامنے اس قانون کے معانی ظاہر کرنے کی بات بھی پیش ہوئی۔ بمبئی کے پریذیڈنسی مجسٹریٹ نے جن کی عدالت میں دیسی شراب رکھنے کے جرم میں ایک شخص پر مقدمہ چلایا گیا تھا دو سوالوں پر ہائیکورٹ کا فیصلہ مانگا۔

(۱) ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ضمنی قواعد کے دوسرے حصہ کی دفعہ ۳۱ کی رُو سے کیا صوبائی اسمبلی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون پاس کرے جس کا مقصد مکمل بندش شراب ہو۔ (۲) اگر پہلے سوال کا جواب اثبات میں ہو تو سنہ ۱۸۷۸ء کے بمبئی آبکاری کے قانون کی دفعہ ۱۴ اب کے رو سے حکومت کی طرف سے کوئی ایسا اعلان موجود ہے جس کے مطابق بمبئی شہر میں عام لوگوں کو اپنے پاس نشئی اشیاء نہ رکھنے کی پوری پوری بندش کی گئی ہے؟

ان سوالوں کے جواب میں ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ آبکاری قانون میں سُدھار کرنے کے لئے جو قانون بمبئی کے گورنر نے بنایا ہے وہ صوبائی اسمبلی کے اختیار سے باہر جاتا ہے۔ اور جو اعلان غیر قانونی قرار دیئے جا چکے ہیں اُن پر یہ نیا قانون عاید نہیں ہوتا۔ جوں ہی یہ فیصلہ دیا گیا سرکار نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی ۲۰۵ دفعہ کی رو سے ہائیکورٹ کا تصدیق نامہ طلب کیا تاکہ سرکار فیڈرل کورٹ میں اس کی اپیل کر سکے ہائی کورٹ نے تصدیق نامہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا سبب یہ بتایا کہ اس معاملے میں طریقہ حکومت کے قانون کا مطلب نکالنے کا سوال کھڑا نہیں ہوتا۔

اس طرح شراب بندی کو دفن کر دیا گیا اور اُسے دوبارہ زندہ ہونے سے روکنے کے لئے پُورا اور مضبوط بندوبست کیا گیا۔

(۲)

لیکن بہار میں ایسا نہیں ہؤا۔ وہاں بھی بمبئی کی طرح اعلانات جاری کئے گئے تھے۔ بہار اور اوڑیسہ کے ایک پُرانے آبکاری قانون کی ایک دفعہ کے مطابق ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء کو بذریعہ اعلان بندش شراب کا کام شروع کیا گیا۔ بمبئی کی طرح وہاں بھی اس اعلان کے مطابق مقدمات چلائے گئے۔ اور ملزموں کو سزا بھی دی گئی۔ اُن کے خلاف پٹنہ ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی۔ اور ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا کہ صوبائی سرکار کو آبکاری قانون کی رُو سے کوئی ایسا اعلان کرنے کا حق نہیں ہے جس سے عام لوگوں کو شراب وغیرہ نشئی اشیاء رکھنے سے روکا جا سکے۔ اس پر بمبئی کی طرح بہار کے گورنر نے بھی نیا قانون پاس کر کے اصل آبکاری قانون کے اُس حصے میں ہیر پھیر کیا جس سے بندش شراب کو اُس کے مقاصد میں داخل کیا گیا۔ اور پرانے قانون کی دفعہ ۱۱ جز ۴ میں ایسی تبدیلی کر دی گئی جس سے کوئی بھی شخص یا اشخاص کے گروہ ان الفاظ میں بہار اور دوسرے کسی علاقہ کے سبھی لوگوں کو شامل کیا جا سکے۔ گورنر کے اس قانون کی رُو سے نیا فرمان جاری کیا گیا۔ اُس کے مطابق جب مقدمہ چلا تو ملزم رہا کر دیا گیا۔ لیکن بمبئی کے برعکس بہار میں ہائی کورٹ نے رہائی کے حکم کو رد کر دیا اور فیصلہ دیا کہ "اصل قانون میں سُدھار کرنے والے نئے قانون کو دیکھتے ہوئے ملزم کو قانون سے کوئی حفاظت نہیں ملتی"۔ ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف سزا پاتے ہوئے شخص نے فیڈرل کورٹ میں اپیل کی تھی۔ فیڈرل کورٹ کے چیف جج سر مورس گوائر نے کچھ دنوں پہلے جو فیصلہ دیا ہے اُس میں پٹنہ ہائی کورٹ کے فیصلے کو بحال رکھا گیا ہے اور سارے سوال کے مختلف پہلوؤں کی صاف صاف اور الگ الگ تشریح کر کے صوبہ بمبئی میں پیدا ہوئے ہوئے سارے سوالوں کا صحیح صحیح حل بتا دیا گیا ہے۔ اور بمبئی اور بہار دونوں صوبہ جات میں بندش شراب کے سلسلہ میں کانگرسی وزارتوں کی کارروائی کی پُوری پُوری تصدیق کی گئی ہے۔ بمبئی اور بہار کی سرکار کی طرف سے جاری کئے گئے فرمانوں کے بارے میں شک کرنے والی بمبئی اور پٹنہ کی اُونچی عدالتوں نے جو وہ فیصلے دیئے تھے اُن پر اپنی کوئی رائے ظاہر نہ کرتے ہوئے فیڈرل کورٹ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ان صُوبوں کی حکومتوں نے جو فرمان جاری کئے تھے وہ جاری کرنے کا اُنہیں حق تھا اور دونوں ہائی کورٹوں نے اپنی یہ جو رائے بتائی کہ پُرانے قانون صرف محصولی یا آبکاری قانون تھے مکمل یا جزوی شراب بندی کی پالیسی کو چلانے کے لئے وہ نہیں بنائے گئے تھے وہ غلط تھی۔

"اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مطالب یا اصول کے نقطہ نگاہ سے آبکاری قانون کا دوگونہ ـــــ یعنی ٹیکس سے فائدہ اُٹھانے اور شراب کے بیوپار کو قانون کی زد میں لاکر زیادہ کنٹرول کر کے عوام کی صحت اور اخلاق کو سُدھارنے کا ـــــ مقصد نہیں ہو سکتا۔ انگلینڈ کے لائسنس کے متعلق قانون اس طرح کے قانون کی ایک مثال ہیں۔ اگر دفعہ ۱۱ جز ۴ کا مطلب اپنی مرضی سے ایک خاص پالیسی کے ذریعہ یا مکمل شراب بندی کے ذریعہ نشئی اشیاء کے استعمال کو مکمل طور پر روکنے کے کام کو آگے بڑھانا نہ ہوتا تو ہماری سمجھ میں یہ بات آسانی سے نہیں آتی کہ اُس کا اور کیا فائدہ یا مقصد ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ اس دفعہ نے سارے صوبوں کی قوانین کی کتاب میں ایک ہی وقت میں جگہ حاصل کی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت ـــــ جیسا کہ سب جانتے ہیں ـــــ شراب بندی کے اصُولوں کی طرف ہندوستانی عوام کا دھیان گیا ہے۔ ادھر جو قانون بنے ہیں اُن میں نئی بات صرف اتنی ہی ہے کہ وہ اس سے بھی آگے جاتے ہیں اور بات کی تہ تک پہنچتے ہیں"۔

فیڈرل کورٹ کے چیف جج نے اُس دلیل کی بھی چرچا کی ہے جس میں شراب کے بیوپاریوں کے نقصان کی بات کہی جاتی ہے۔ بہار کے ملزم کے وکیل نے اس کا ہلکا سا اشارہ کیا تھا۔ جبکہ بمبئی کے چیف جج نے اس پر بہت زور دیا تھا۔ اس سلسلہ میں فیڈرل کورٹ کے فیصلے میں یہ کہا گیا ہے:۔

"ایک ہلکا سا اشارہ یہ کیا گیا تھا کہ شراب بندی کے قانون کے سبب جن لوگوں کی روزی چھن جائے گی اُن کو معاوضہ دینے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ اس سے یہ مان لیا جائے کہ اس طرح کا قانون بنانے کا حق مجلس قانون ساز کو نہیں دیا گیا تھا۔ اگر معاوضے کا کوئی بندوبست نہ کیا ہوا اور قانون میں شک کی گنجائش ہو تو بلاشبہ اُس حالت میں اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ مجلس قانون ساز قائم شدہ حقوق میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن جہاں عبارت

صاف ہو اور شک کی کوئی گنجائش نہ ہو — اور ہم مانتے ہیں کہ یہاں ایسا ہی ہے — وہاں ایسی دلیلوں کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں۔

۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے قانون کے متعلق ضمیمہ میں صوبائی مجالس قوانین ساز کو جن معاملوں میں قانون بنانے کا حق دیا گیا ہے۔ اُن کی فہرست کی دفعہ ۳۱ کے مطلب کے بارے میں دراصل کسی طرح کا شک پیدا نہ ہونا چاہئے تھا۔ اُس دفعہ کی تفصیل یوں ہے:-

"نشہ پیدا کرنے والی شراب، اور بے ہوشی لانے والی اشیاء یعنی منشی شرابیں، افیم اور دوسری بے ہوشی لانے والی چیزوں کو اُگانا، بنانا، قبضے میں رکھنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، خریدنا اور بیچنا۔"

لیکن مخالف گروہ کی طرف سے یہ ثابت کرنے کے لئے بہت سی دلیلیں دی گئی تھیں کہ اس دفعہ کی رُو سے صوبائی مجالس قوانین ساز کو کُلی یا جزوی شراب بندی کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ فیڈرل کورٹ کے چیف جج نے اس دلیل کو احمقانہ قرار دیا ہے۔ اور اس سوال پر جو فیصلہ دیا ہے ...

"منشی شرابوں کے بارے میں قانون بنانے کی طاقت اس سے زیادہ صاف الفاظ میں ظاہر نہیں کی جا سکتی ... ہماری یہ رائے ہے کہ اگر ان الفاظ کا مطلب ان کے آس پاس کے مضمون سے یا اس قانون کی کسی دوسری دفعہ سے نہ ملتا ہو تو سارے صوبہ میں یا صوبے کے کسی حصہ میں منشی شرابوں کو بند کرنے کی طاقت کا دخلہ اس میں بلاشبہ پایا جاتا ہے"

اور ...

"حکومت کی طاقت میں روکاوٹ کی طاقت کا مطلب عمل نہیں ہوتا مگر دفعہ ۳۱ میں خود حکومت لفظ یا اُس کے برابر کا کوئی لفظ نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے اس دلیل کو اور آگے بڑھانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔"

اس امر کا اطمینان ہے کہ اس سوال کا ایک دوسرا پہلو بھی تھا جو چیف جج کے دھیان سے باہر نہیں رہا ہے۔ ۱۹۳۵ء میں جاری کئے گئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے جن سدھار کے سبب حکومت کے جو محکمے صوبائی مجالس قوانین ساز کو سونپے گئے اُن سدھاروں کا اگر کوئی مقصد تھا تو وہ یہی تھا کہ عوام کے نمائندوں کو عوام کی سیاسی اور سوشل بھلائی کے لئے قانون بنانے کی پوری پوری آزادی دی گئی تھی دفعہ ۳۱ کا کوئی دوسرا مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر بمبئی ہائی کورٹ کے فیصلے کے مطابق اُس کا ویسا محدود مطلب نکالا جائے تو اُن اصلاحوں کا جو تھوڑا بہت مقصد ہے وہ بھی نہ رہ جائے اور وہ ایک مذاق کا نمونہ بن جائیں۔ چیف جج نے یہ چیز اس طرح صاف الفاظ میں تو نہیں کہی ہے لیکن اُن کے نیچے لکھے الفاظ سے اُن کا ارادہ صاف صاف ظاہر ہو جاتا ہے—

"مہارانی بنام بورا ملے مقدمہ میں جو بنیادی اصول ظاہر کیا گیا ہے یہاں ہمیں اُس کا پھر سے ذکر کرنا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہندوستانی قانون ساز جماعتوں کو اپنے طور پر پارلیمنٹ کی طرح وسیع اور اُسی طرح کے قانون بنانے کی طاقت حاصل ہے۔ اگر یہ چیز ۱۸۷۸ء میں سچ تھی تو ۱۹۴۲ء میں اُس سے کم سچ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جو مجلس قانون ساز اپنی حاصل کردہ طاقت کا استعمال کرتی ہو، قانون کی ہر ایک دفعہ کا مطلب اُس کے حق میں ہی ہونا چاہئے۔ مجلس قانون ساز کے قوانین کی اُتنی باریک چھان بین مناسب نہیں جتنی اُس جماعت کے قاعدے اور اصولوں کی مناسب ہوتی ہے۔ جیسے کسی دوسرے نے اپنی طاقت کا اپنے نمائندہ کی شکل میں استعمال کرنے کی طاقت دی ہو۔ اُسی طرح کھینچ تان کر من مانے ڈھنگ یا نامناسب دستور کی رٹ لگا کر کسی سوال پر قانون بنانے کے اُس کے عام اختیارات کو کم نہ کرنا چاہئے۔"

فاضل چیف جج کا یہ ناطق فیصلہ ایک خاص فیصلہ ہے۔ اس فیصلے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ بہار میں بندش شراب کا کام جس حد تک شروع کیا گیا تھا اُس حد تک وہ قانون کے مطابق تھا۔ لیکن بمبئی — ؟ وہاں تو زبردستی کا ہی بول بالا ہے۔ ہندوستان کی حکومت صوبائی معاملوں میں کوئی قانون نہیں بنا سکتی۔ اور بمبئی ہائی کورٹ کا جو فیصلہ ابھی تک قائم ہے اُس کے مطابق قانون بنانے کا اختیار گورنر اور مجلس قانون ساز کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ کیا فیڈرل کورٹ کے چیف جج کا یہ فیصلہ ۱۹۴۰ء کے بمبئی کے گورنر کے قانون بنانے کو باقاعدہ ٹھہراتا ہے اور بندش شراب کے کام کو پھر سے چلانے کی طاقت دیتا ہے۔ بمبئی ہائیکورٹ کے فیصلے کے بعد بمبئی کے کچھ مشہور وکیلوں نے یہ بیان دیا تھا کہ کانگریسی حکومتوں نے اصلاح کے جوش میں آ کر تمام قانونی اصولوں کو ٹھکرا دیا تھا۔ فیڈرل کورٹ کے اس فیصلے سے اُن کا یہ بیان غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ کانگریسی حکومت کے ذریعہ کئے گئے بھلائی کے کام پر بمبئی ہائیکورٹ کے فیصلے نے قلم کے ایک ہی اشارے سے پانی پھیر دیا ہے۔ اُس نیک کام کو پھر سے شروع کرنے کے لئے کوئی طریقہ ڈھونڈ نکالنا چاہئے۔

مہادیو ڈیسائی

دیہات سدھار اور دیہاتی صنعتوں کی تعلیم

حالات ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم دیہات اور انکی اقتصادی زندگی کی اہمیت کو سمجھیں۔ اولاً ہمارا ملک ایک دیہاتی ملک ہے۔ لہذا اگر ہمیں ملک کیلئے کچھ کرنا ہے تو دیہات کے لئے ہی کرنا ہوگا۔ دوئم سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں بیکاری روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ادبی تعلیم نے انہیں اقتصادی جدوجہد کیلئے نکما بنا دیا ہے۔ ان کی اپنی بھلائی کے لئے بھی انہیں دیہی اور گھریلو صنعتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ سوئم شہروں اور قصبوں میں آجکل کے غیر یقینی حالات انہیں کالجوں میں تعلیم جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ممکن ہے کالج دوبارہ کھلیں ہی نہیں۔ چہارم دیکھ ہمارے دروازے پر آ پہنچی ہے جس کے نتیجے کے طور پر ذرائع آمدورفت میں دقت ہمیں مجبور کر رہی ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں اپنی ضروریات کیلئے خود سامان تیار کریں۔ سرمایہ محدود ہونیکے کارن ہمارے سامنے صرف یہی راستہ ہے کہ ہر کنبہ کوئی گھریلو صنعت چن لے۔ اور اپنی ضروریات خود پوری کرے۔ اور جب ہمارے عوام اس لحاظ سے غیر محتاج نہیں رہیں گے تو ہمیں اصلی ملکی آزادی حاصل ہو جائیگی +

نوجوان مردوں اور عورتوں کو دیہاتوں میں کام کرنے کے لئے تیار کرنے اور انہیں دیہی صنعت سکھلانے کی غرض سے آل انڈیا ویلیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن نے واردھا میں اپنے گرام سیوک ودیالیہ میں ایسی کلاسیں جاری کر رکھی ہیں +

گرام اُدیوگ کی ڈپلومہ کلاس (پہلا عام کورس) کا اگلا دور بکم جولائی سنہ ۱۹۴۲ء سے ۳۰ اپریل سنہ ۱۹۴۳ء تک کا ہے +

طلبا مندرجہ ذیل دو میں سے کوئی سا ایک کورس لے سکتے ہیں:-

پہلا گروپ۔ تیل گھانی +

دوسرا گروپ۔ کاغذ سازی +

شہد کی مکھیاں پالنے اور صابن سازی کی تعلیم دونوں گروپوں کے طلبا کو دی جاوے گی +

مندرجہ ذیل مضامین پر ہندوستانی زبان میں لیکچر دیئے جائینگے +

۱۔ گاندھی وچار دوہن (گاندھی جی کی تعلیم کا لب لباب) +

۲۔ دیہی اقتصادیات +

۳۔ حفظان صحت اور اصول صفائی +

۴۔ بہی کھاتہ +

داخلہ کے لئے درخواست کنندگان ۲۲ سال سے ہرگز کم نہیں ہونے چاہئیں۔ جن کے لئے کمیٹی ضروری سمجھے ان کا امتحان لے سکتی ہے۔ انہیں انٹرنس کے معیار کا امتحان پاس کرنا ہوگا۔ اور مناسب قابلیت نہ ہونیکی صورت میں ان کی غرض نامنظور ہو سکتی ہے۔ انہیں ضرورت کے لئے ہندوستانی زبان کا علم ہونا لازم ہے۔ وہ عادتاً کھدر پہنتے ہوں۔ اور انہیں پاخانہ صاف کرنے۔ جھاڑو دینے۔ رسوئی کا کام کرنے۔ آٹا پیسنے۔ مالی کا کام کرنے۔ کتائی کرنے وغیرہ دوسرے جسمانی محنت کے کام جو ودیالیہ کے ضابطے کیلئے ضروری ہوں کرنے کیلئے تیار رہنا چاہیئے +

جملہ اخراجات متعلقہ فیس۔ رہائش۔ خوراک و دیگر چھوٹے موٹے خرچ مبلغ بیس روپے کے لگ بھگ ہونگے +

ودیالیہ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب کی طرف سے داخلہ کی اجازت کی چٹھی آنے سے پہلے کسی کو نہیں آنا چاہیئے +

طلبا کو لازمی طور پر ودیالیہ کے ہوسٹل میں رہائش رکھنی ہوگی اور وہیں کی خوراک کھانی ہوگی۔ خوراک ساگ ترکاری کی ہوگی (ماس کی نہیں ہوگی) +

مفصل پراسپکٹس و فارم برائے درخواست صاحب سپرنٹنڈنٹ گرام سیوک ودیالیہ مگن واڑی۔ واردھا (سی۔ پی) سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ چھپی ہوئی فارم پر عرضی بھی انہیں ۳۱ مئی سنہ ۱۹۴۲ء سے پہلے پہلے پہنچ جانی چاہیئے +

"بھارتن کمارآپا"

گاؤں کی صفائی

سمجھدار لوگوں اور مزدور لوگوں کا رشتہ ٹوٹ جانیکی وجہ سے دیہاتوں کی طرف مجرمانہ غفلت ہوئی ہے آج دیہاتوں میں خوشنما گھروں کی بجائے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے دیہات میں داخل ہوتے وقت ناخوشگوار تجربہ ہوتا ہے۔ ہر طرف اتنی گندگی اور سخت بدبو ہوتی ہے۔ کہ انسان اپنی آنکھیں اور ناک بند کر لینا چاہتا ہے۔ ہمارے اکثر کانگریسی دیہات سے ہی آتے ہیں۔ انہیں اپنے گاؤں کو بلحاظ صفائی نمونے کا گاؤں بنا دینا چاہیئے۔ مگر انہوں نے کبھی گاؤں والوں سے گھل مل کر رہنا اپنا فرض ہی نہیں سمجھا۔ مل جل کر صاف رہنے کی عادت ہم میں پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی ہم نے اس کے بلند نتائج پر کبھی غور کیا ہے۔ جیسے ہی بن پڑے ہم نہا لیتے ہیں۔ مگر جس کنوئیں۔ تالاب یا ندی پر نہاتے ہیں۔ اُسے گندا کرنے میں کوئی برائی تصور نہیں کرتے۔ میرے نزدیک یہ بہت بری گندی عادت ہے۔ ہمارے دیہاتوں اور مقدس دریاؤں کے گھاٹوں کی شرمناک حالت اور گندگی سے پھیلنے والی بیماریوں کے لئے یہی گندی عادت ذمہ دار ہے +

زبان کے لحاظ سے

آندھرا کے متعلق ورداگرام کے مہاراج کمار کے سوال کا جو میں نے جواب دیا ہے۔ اس کے متعلق ہندی اور مرہٹی بولنے والے صوبوں میں رہنے والے بہت سے اصحاب نے مجھ سے ایک لمبی چوڑی خط و کتابت کی ہے۔ ان کی یہ رائے ہے کہ ہندی بولنے والے علاقوں کو ایک جدا صوبہ تصور کیا جانا چاہیئے۔ اور اسی طرح مرہٹی بولنے والے علاقہ کو ایک الگ صوبہ سمجھنا چاہیئے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ مجھے اس تجویز سے پوری پوری ہمدردی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بولی کے لحاظ سے صوبہ جات کی حد بندی ایک صحیح اور درست طریقہ ہے۔ اگر ایک ہی بولی بولنے والے دو صوبے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ واقع نہ ہوں تو انہیں دو علیٰحدہ علیٰحدہ صوبے شمار کرنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مثلاً اگر کیرالا اور کشمیر دونوں کی بولی ایک ہی ہو تو کبھی میں انہیں دو جُدا جُدا صوبے تصور کروں گا ✤

مندرجہ بالا خطوط کے لکھنے والوں کی رائے میں نئے صوبوں کی از سر نو تقسیم کے متعلق کوئی تحریک جلائی چاہیئے اور موجودہ حالت میں مجھے مرہٹی بولنے والے علاقوں اور ہندی بولنے والے علاقوں کے جدا جدا الحاق کے لئے ایک ہل چل پیدا کرنی چاہیئے۔ ایک ناقابل عمل تجویز ہے۔ الحاق کا مطالبہ ان علاقوں میں رہنے والے کانگریسیوں کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ اگر ان کا یہ مطالبہ متفقہ ہوا تو کانگریس اُسے رد نہ کریگی سب کچھ ان کے اپنے بس میں ہے ✤

میرے ان خطوط لکھنے والے اصحاب اور دوسرے لوگوں کو آندھرا کی ہل چل کو اس تجویز سے ملا نہیں دینا چاہیئے۔ کیونکہ کانگریس کے لئے آندھرا اب بھی ایک جدا صوبہ ہے ✤

کانگریسی وزارت کے عہدہ پر ہونے کے وقت آندھرا نے اس امر کی ہل چل کی کہ قانونی طور پر آندھرا کو ایک الگ صوبہ قرار دیا جائے خط لکھنے والے ان اصحاب کا مطلب کانگریس سے اپنی اس تجویز کی منظوری لینے کا ہے۔ خوبی کے لحاظ سے میں اس تجویز کے حق میں ہوں لیکن میں ایسی ہل چل و تحریک کو ختم کرنے کی کوشش کروں گا جو ملک کو اپنے اصل مقصد یعنی ہندوستان پر ہندوستانی کا فرض اور اپنے فرض سے ادھر ادھر بھٹکائے۔ صوبوں کی از سر نو تقسیم اگرچہ ایک اہم معاملہ ہے۔ لیکن موجودہ اہم مسئلہ کے مقابلہ میں جس نے دوسرے تمام مسائل کو پس پردہ ڈال دیا ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں رہتی ✤

ان مسائل کے متعلق جنگ کے خاتمہ تک انتظار کیا جا سکتا ہے موجودہ قیامت خیز تباہی کے خاتمہ پر ہمیں ایک نئے نظارے اور نظام کے دیکھنے کی توقع ہے ✤

سیواگرام - ۱۴ اپریل سنہ ۴۲ء ایم - کے - گاندھی

ہیضہ کا سہل علاج

ستیش بابو نے حال ہی میں پندرہ دن صرف کر کے چودہ ایسے دیہات میں لوگوں کا علاج معالجہ کیا - اور انہیں صحت کے اصولوں سے آگاہ کیا۔ جہاں ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی تھی - ستیش بابو نے اپنے ایک ساتھی کارکن اور دیہات کے چار ڈاکٹروں کی امداد سے کام شروع کیا - نتیجہ مندرجہ ذیل رہا ✤

تعداد دیہات ہائے جہاں علاج کیا گیا		۱۴
ہیضہ کے مریضوں کی تعداد		۱۱۴
شفا پانے والوں کی تعداد	۹۵	
زیر علاج مریضوں کی تعداد	۲	
اموات	۱۷	
	۱۱۴	۱۱۴

تعداد مریضان جنہیں نمکین پانی کا انجکشن سیدھا خون کی رگ میں یا جلد کے نیچے دیا گیا ۱۱۲

۱۷ وفات پانے والوں میں سے پانچ کی حالت ستیش بابو کے اُن تک پہنچنے سے پہلے ہی اتنی خراب ہو چکی تھی - کہ علاج بے سود تھا ✤

علاج کے لئے صرف مندرجہ ذیل دواؤں کی ضرورت پڑی :-

۱- کیلومل (CALOMEL)

۲- سوڈا بائی کارب (BICARBONATE OF SODA)

شروع میں ہی یہ دوائیں دی گئیں اور اس وقت تک ان کا دینا جاری رکھا گیا جب تک کہ پیٹ کا اخراج اسی طرح جاری نہ ہوا ✤

اس کے بعد -

۳- کسٹرائیل (ارنڈی کا تیل) (CASTOR OIL) اور

۴- کیوالین (KAOLIN) دیئے گئے ✤

۵ - چونکہ لگاتار دست آنے کی وجہ سے مریض کے خون کی قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے - اس لئے بار بار نمکین پانی کا ٹیکہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے ٹیکہ کے لئے نمک اس طرح تیار کیا جاتا ہے :-

کھانے میں استعمال ہونے والے عام نمک کو پانی میں حل کریں - اور چھان کر نمکین پانی کو تب تک اُبالیں جب تک کہ نمک کی بلوری قلمیں بننی شروع نہ ہو جائیں - کئی حالات میں قلوی (ALKALINE) نمکین پانی کی ضرورت ہوتی ہے - ان حالات میں سوڈا بائی کارب شامل کیا جا سکتا ہے ✤

دیہاتی ڈر گئے تھے - ستیش بابو اور ان کے ساتھیوں نے جلد ہی ان کا مکمل اعتماد حاصل کر لیا - اور انہیں ہر قسم کا تعاون حاصل ہونے لگا - اس طرح ایک ایسی وبا جو کسی وقت خطرناک صورت اختیار کر سکتی تھی آغاز میں ہی انسداد کر دیا گیا ✤

آچاریہ آنند شنکر دھرو

آچاریہ آنند شنکر دھرو کی موت سے صرف گجرات کو ہی نہیں بلکہ یوپی کو بھی ایک ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی کی انہوں نے لمبی مدت تک خدمت کی ہے۔ اس موت سے پیدا شدہ خلا کو پر کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگا۔ آخری دم تک وہ ایک بڑے تعلیم دان رہے۔ ان کی موت سے طالب علموں کا ایک صحیح دوست ہاتھ سے چلا گیا ہے۔ مالویہ جی کے تو وہ گویا دست راست تھے۔ مالویہ جی کے صدمہ کا اندازہ بعید از قیاس ہے۔

آنند شنکر دھرو صرف ایک ماہر تعلیم ہی نہ تھے۔ بلکہ تعلیم کے علاوہ اور بھی مسائل میں کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ سیاسیات کے پر دق طالب علم - آزادی کے مندر کے پجاری اور ایک صحیح سوشل ریفارمر تھے۔ کٹر مذہبیوں کے ساتھ ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ بلکہ وہ خود بھی ان کی کئی ایک رسومات کے پابند تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان کے دل و دماغ کا رجحان ہمیشہ ترقی پسند طبقے کی طرف رہتا تھا۔ اور وہ اپنے ان خیالات کا اظہار بے دھڑک ہو کر کرتے تھے۔ سنسکرت اور ہندو دھرم شاستر کے ایک مشہور و معروف عالم ہونے کی وجہ سے وہ کافی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ہندو دھرم کے وہ ایک صحیح نمائندے تھے +

جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے ہمیشہ ان سے مدد ملتی رہی ہے۔ مزدور اور سرمایہ دار دونوں کے وہ دوست تھے۔ دونوں طبقوں کو ان کی ذات پر اعتقاد تھا۔ اسی وجہ سے احمد آباد میں انہوں نے دونوں طبقوں کی بڑی خدمت کی ؛

متوفی کے خاندان کے رنج و الم میں ہم حصہ دار ہیں۔ اور جنہیں آچاریہ جی سے ملنے کا فخر حاصل ہوا ہے ان سب کو آچاریہ جی کے پس ماندگان سے دلی ہمدردی ہوگی +

سیواگرام - ۱۳ - اپریل سنہ ۴۲ء ایم - کے - گاندھی

سفر میں کمی کی ضرورت

بی - بی - سی - آئی ریلوے کے منتظمان لوگوں کو سفر کرنے سے باز رکھنے کی حتی الوسع کوشش کر رہے ہیں - یہ ایک بروقت تنبیہہ ہے - لوگوں کو کم سے کم سفر کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے - صرف نہایت اہم اور ضروری کاموں کے لئے ہی ریل کا سفر کرنا چاہیئے - ممکن ہے کسی روز غیر سرکاری کاموں کے لئے ریل کا استعمال بالکل بند کر دیا جائے - اور فوجی نقل و حرکت کے لئے یہ احتیاط ضروری ہو جائے - بہتر ہے کہ ہم ایسے حالات پیدا ہونے سے کافی پہلے ہی اپنے آپ کو اس کا عادی بنا لیں +

سیواگرام ۱۳-۴-۴۲ ام - کے گاندھی

سوتی سکہ عمل میں

کھادی کی سالانہ بازار کا انتظام اس سال ۱۱ ماہ حال کو نالواڑی میں کیا گیا۔ تقریب کا اہم پہلو ونوبا جی کا ایڈریس تھا۔ نمائش کا افتتاح بھی کیا گیا جس میں لگ بھگ ۵۰۰۰ آدمیوں نے حصہ لیا۔ پنڈال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ تقریب کا عجیب و غریب پہلو سوراج بھنڈار کی افتتاح تھی۔ جہاں پر سوتی سکوں پر عملدرآمد ہوگا۔ گاندھی جی کو افتتاحی رسم ادا کرنے کیلئے مدعو کیا گیا تھا۔ مقرر شدہ ماپ کے سوت کے بدلے میں گاہکوں کو ایک خاص حد تک نقدی ملے گی یا اشیائے خوردنی اور دیگر ضروریات زندگی جو بھنڈار میں جمع رکھی جاویں گی۔ یا ایک پیسہ ایک آنہ - ایک روپیہ یا پانچ روپیہ کی پرچیاں ملیں گی۔ اور پرچیوں کے بدلے میں بھنڈار سے ہر قسم کی اشیاء مل سکیں گی۔ حاضرین کے اشتیاق کا یہ حال تھا۔ ساری کی ساری پرچیاں جو وہاں پر موجود تھیں تو آفر فروخت ہو گئیں۔ کئی ایک اصحاب کو تو مایوس ہونا پڑا کیونکہ اور کوئی پرچی باقی نہ بچی۔ بھنڈار کی رسم افتتاح ادا کرتے ہوئے گاندھی جی نے فرمایا۔ آج تک ہم ایسے تمام تجارتی کاروبار کے لئے گورنمنٹ کے بنے ہوئے سکے استعمال کرتے رہے ہیں۔ ان کے دل میں سوت کو قیمت کے ایک معیار کی حیثیت میں استعمال کرنے کا خیال آیا۔ چرخہ سنگھ میں ہزارہا کاتنے والے سوت کاتتے ہیں اور کافی سوت ضائع ہو جاتا ہے لیکن موجودہ طریقہ سے بہت حد تک سوت ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ گاندھی جی نے مزید کہا۔ ان کے بہت سے خیالات کو عملی جامہ صرف نالواڑی میں ونوبا جی کی سرگرم اور پرجوش رہبری میں ہی پہنایا جاتا ہے۔ ونوبا جی نے اس خیال کو آج ہی سے عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ بھنڈار ان ہی کی محنت کا نتیجہ ہے۔ لیکن سکیم کی کامیابی کا انحصار عام لوگوں کے تعاون اور باہمی امداد پر ہے +

اس بھنڈار میں جو اس سکیم کے ماتحت چلایا جا رہا ہے فی الحال تقریباً اشیاء مقررہ نرخوں پر فروخت کی جاویں گی۔ ہر ایک بچہ بھی یہاں سے بے فکر ہو کر خرید و فروخت کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں کسی کو دھوکا نہیں دیا جاوے گا۔ امید ہے کہ آس پاس کے علاقہ میں سوت کی پیداوار اور نفاست میں نمایاں اضافہ ہوگا۔ بھنڈار کا نام جان بوجھ کر سوراج بھنڈار رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس خیال کے بانیوں کا خیال ہے کہ سوراج برطانیہ کے ساتھ گفت و شنید سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ سوراج تو صرف محنت اور صحیح سوچ وچار سے حاصل کیا جا سکتا ہے اسی سے تعمیری پروگرام کی اہمیت کا پتہ لگتا ہے +

گاندھی جی نے آخر میں کہا کہ ہندوستان میں اناج کی تو بہتات ہونی چاہیئے۔ اگرچہ کچھ دیر کے لئے خاص وجوہات کی بنا پر اناج کی کچھ کمی ہو۔ لیکن اگر ہم مل کر محنت سے کام کریں تو عام لوگوں کی اناج کی ضروریات کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر ہر شخص کاتنا شروع کر دے تو کپڑے اور روپے کی بھی کوئی کمی نہ رہے گی +

(راجکماری) امرت کور

ہندو مسلم یا فرقہ وارانہ اتحاد

(از قلم بابو راجندر پرشاد)

اس میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ موجودہ فرقہ وارانہ نفاق آپس کی بد اعتمادی اور شک و شبہات کی وجہ سے ہے۔ قومی زندگی کے ہر ایک شعبہ مثلاً مذہبی رسومات کی ادائیگی، زبان، تہذیب، رہن سہن کے طریقوں، تعلیم، اقتصادی آزادی اور سیاسی طاقت وغیرہ وغیرہ میں ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جس نے ہماری قومی زندگی کو ناپاک کر دیا ہے۔

اگر ہم اپنے حقوق کو دوسروں سے زبردستی منوانے کی عادت ترک کریں اور جو دوسروں کی نظر میں جائز حقوق ہیں۔ اُن کو بُرا نہ کہیں تو آپس میں اعتماد اپنے آپ پیدا ہو جائے گا۔ نیچے لکھے موقعوں پر جبکہ عام طور پر کوئی نہ کوئی آفت کھڑی ہو جاتی ہے۔ میرے خیال میں عدم تشدد کا مؤثر طریقہ عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

۱۔ ایک مسلمان گائے کی قربانی کرنا چاہتا ہے یا خوراک کے لئے اُسے ذبح کرنا چاہتا ہے۔ ایک ہندو اُسے دوستانہ طریقے سے اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا خیال رکھے۔ وہ یا ہندوؤں کا کوئی گروہ اُسے اس فعل سے روکنے کے لئے تشدد کا استعمال نہیں کرتا۔

۲۔ اسی طرح اگر ایک ہندو دُرگا کی مورتی کو جلوس کی شکل میں لے کر مسجد کے سامنے سے گزرتا ہے اور ایک مسلمان کی عبادت میں باہر کے شور و غل یا باجہ وغیرہ کی آواز سے خلل واقع ہوتا ہے لیکن وہ اپنے ہندو ہمسایہ کو تشدد سے نہیں بلکہ پریم اور محبت سے سمجھاتا ہے۔

۳۔ اگر کوئی ہندو اپنی زمین پر ایک مندر تعمیر کرنا چاہتا ہے یا ایک مسلمان مسجد کھڑی کرنا چاہتا ہے تو ہر دو کو ایک دوسرے کا حق تسلیم کر لینا چاہئیے۔

۴۔ اگر مسلمان کی اذان اور ہندو کی آرتی کسی ایک کے امن میں خلل ڈالتی ہے تو ایک دوسرے کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے یہ عارضی خلل برداشت کر لیا جائے۔

۵۔ ہر ایک انسان کو اپنے مذہبی عقیدوں کی تبلیغ کا حق ہے لیکن اس حق کو عمل میں لاتے ہوئے اس امر کا خاص خیال رکھا جائے کہ دوسروں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اور دوسرے مذاہب کے بانیوں یا قابل تعظیم مہاتماؤں کی شان میں گستاخی نہ ہو۔

۶۔ دوسروں کو زبردستی اپنے مذہبی دائرے میں لانے کی کوشش کرنے سے جذبۂ انتقام بھڑک اُٹھتا ہے۔ اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئیے۔

۷۔ اغوا کی وارداتوں میں قصوروار فرقے کے لوگوں کا یہ نیک فرض ہونا چاہئیے کہ وہ اصل ملزموں کا پتہ لگا کر انہیں مناسب سزا دلائیں۔

۸۔ چند ایک دوسرے واقعات کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ مختلف فرقے ایک دوسرے کے خلاف تشدد کا استعمال کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ تشدد کا کسی طور بھی استعمال نہیں کرنا چاہئیے۔ اگر دوستانہ ترغیب سے کام نہ چلے تو ہر دو فریق کی منظوری سے غیر جانبدار شخص یا اشخاص سے فیصلہ کرانے کی کوشش کی جائے۔ اگر ایک فریق اس طرح کے ثالثی فیصلہ کرانے سے انکار کر دے تو دوسرا فریق عدم تشدد کے طریقہ کے مطابق اپنے آپ دُکھ اُٹھا کر پروٹسٹ کا اظہار کرے اور اس طرح مخالف کے دل کو پگھلانے کی کوشش کرے۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ معاملہ بالکل صاف ہو اور دُکھ سہنے والا اس قدر مضبوط ہو کہ وہ ہر طرح کی تکالیف برداشت کر سکے۔ اگر اس طرح کا عدم تشدد کا طریقہ اختیار نہ کیا جا سکے تو انصاف کے لئے عدالتوں یا با اختیار لوگوں کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا جا سکتا ہے۔ جو حل میں نے ہندو مسلم جھگڑوں کو ہٹانے کے لئے بتایا ہے وہی حل دوسرے مذہبی فریقوں کے جھگڑوں کا بھی ہو سکتا ہے۔

۹۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تہذیب و تمدن کو بُرا بتلاتا ہے اس چیز نے کافی طول کھینچا ہے۔ اور اگرچہ اس کا براہ راست نتیجہ فسادات نہیں ہوتا تاہم یہ کچھ کم خطرناک نہیں۔ کیونکہ اس سے چور چال کی مانند زہر پھیلتا رہتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسی چال سے اکثریت اقلیت کے خلاف لگاتار طاقت کا استعمال کرتی رہے۔ ایک متعلق فعل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقلیت اپنے زور بازو، دولت یا دوسروں کی بزدلی کی وجہ سے جائز حقوق سے تجاوز کر جائے۔ ان حالات میں سب لوگوں کا یہ فرض ہونا چاہئیے۔ کہ وہ اپنے روزمرہ کے برتاؤ سے دوسروں کے شکوک رفع کرنے کی کوشش کریں۔ اُن کے کسی فعل سے دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔ سب آزادی سے سوچ سکیں اور زندہ رہ سکیں۔ مثلاً ہر ایک انسان کو زبان، بچوں کی تعلیم اور اپنی زندگی کو ٹھیک راستے پر لگانے کی آزادی ہو

۱۰۔ تجارت اور پیشوں میں نامناسب مقابلہ اور حسد نہیں ہونا چاہئیے۔ کوئی خاص تجارت یا پیشہ کسی خاص فرقہ کے لئے مخصوص نہیں ہونا چاہئیے۔ ہر ایک انسان تجارت اور پیشہ کے معاملہ میں بالکل آزاد ہو۔ اگر کسی بڑی دوکان یا فیکٹری کا مالک اپنے ہم مذہبوں کو ہی نوکریاں دیتا ہے تو اس کے لئے سرکھپول نہیں کی جا سکتی۔

۱۱۔ سیاسی طاقت ہی سب سے زیادہ شکوک اور بد اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ ہر ایک فرقہ کو ہمیشہ کے لئے دوسروں پر حکومت کرنے کی خواہش یا ارادوں کو ترک کر دینا چاہئیے۔ ہندوستان میں اس قدر فرقے موجود ہیں کہ ان میں اگر کوئی خاص فرقہ اپنا اثر و اقتدار دوسروں پر قائم کرنا چاہئیے تو کبھی امن و امان ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک فرقہ کے ہر ایک آدمی کا یہ فرض ہو کہ دوسرے فرقہ کے آدمیوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دے۔ رحم و انصاف کے متقاضی نہ لئے جائیں بخشش، فیض اور کرم کی سچی طاقت کے سامنے بد اعتمادی اور بدظنی ٹھہر نہیں سکتی۔ بزدلی اور خوف کا جذبہ ہمارے دلوں میں ہرگز نہیں ہونا چاہئیے۔ اگرچہ یہ کام سیاسی جماعتوں کا ہی ہے کہ وہ موجودہ اختلافات کو دور کرنے کی تجاویز پر غور کریں۔ لیکن کارکنان ذاتی طور پر انتہائی اشتعال دلائے جانے پر بھی صبر اور برداشت کی مثال پیش کر کے بہت مفید کام کر سکتے ہیں۔ ہر ایک انسان کے لئے یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ وہ دوسرے

فرقہ کے کم از کم ایک آدمی کو اپنا قریبی دوست بنائے۔ آپس کے میل جول اور اتفاق کے ایسے چھوٹے چھوٹے بوئے ہوئے بیج ایک دن بڑے بڑے پھلدار درخت بن جائینگے۔ ایک سنہری اصول جس پر نہایت سختی سے عمل کیا جانا چاہئیے یہ ہے کہ دوسروں پر کسی طرح کی نکتہ چینی نہ کی جائے۔ ہر ایک آدمی ہمیشہ اپنے من کو ٹٹولے اور اپنی کمزوریوں پر اور برائیوں پر نظر رکھے اسی طرح فسادات کے دنوں میں ہر ایک فرقہ کے آدمی اپنے خیالات اور اعمال کو درست رکھیں۔ اور اپنے فرقہ کی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ دوسرے فرقہ کی برائیوں کو دور کرنے کا کام اُن کے اپنے آدمیوں پر ہی چھوڑ دیں۔ جلد بازی سے اخبارات کو بیان دینا۔ واقعات کو غلط طور پر پیش کرنا۔ دوسروں کی نیک نیتی پر شک کرنا اور انتقام کی آگ کو بھڑکائے رکھنا یہ سب ایسی باتیں ہیں جن سے سرپھٹول ہو کر ہی رہتی ہے۔ اور ان سے صلح و صفائی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ سچائی کو ہمیشہ ظاہر کرنا ہی چاہئیے۔ مگر بیانات اور جوابی بیانات رنجشوں کو دور کرنے کی بجائے انہیں اور بڑھاتے ہیں۔

۱۲۔ مذہبی فسادات کو روکنے اور اُن پر قابو پانے کے لئے کچھ ایسے مرد اور عورتوں کے گروہ کی ضرورت ہے۔ جو عدم تشدد پر مکمل یقین رکھتے ہوں اور اپنی جانوں پر کھیل جانے کے لئے تیار رہتے ہوں۔ ایسے شانتی دل کے ہر ایک والنٹیر کو کچھ عرصہ تک ٹریننگ ضرور حاصل کر لینی چاہئیے یہ کام نہایت مشکل ہے۔ اس کے لئے دلیری اور اونچے درجہ کے یقین کی ضرورت ہے۔ تمام فرقہ کے افراد کی بہت عرصہ تک خدمت کرنے سے ہی یہ قابلیت پیدا ہو سکتی ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں ممکن ہو ایک فرقہ کے لوگوں کو دوسرے فرقہ کے لوگوں کے ساتھ رہنے اور اُن کی خدمت کرنے کے موقعہ کی تلاش میں رہنا چاہئیے۔ اس طرح مجلسی تعلقات کے قائم کرنے کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور ہم ایک دوسرے کو سمجھنے لگ جائینگے۔ ایسے کارکن نہ صرف فسادات کو روک سکیں گے بلکہ انہیں پھیلنے نہیں دیں گے۔ کیونکہ وہ عوام کے ہمدرد تصور کئے جاوینگے۔

۱۳۔ تمام فرقوں کے نمائندوں کی ایک مستقل کمیٹی ہر ایک شہر یا چند گاؤں کے مجموعہ کیلئے بہت مفید ثابت ہوگی۔ بوقت ضرورت یہ کمیٹی فریقین کے باہمی جھگڑوں میں ثالث کا کام بھی دے سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ کمیٹی کے اراکین صحیح طور پر عوام کا اعتماد رکھتے ہوں ؂

ایک ضروری التماس

جن اصحاب کی خدمت میں ہری جن کا یہ پہلا پرچہ نمونے کے طور پر ارسال کیا جا رہا ہے۔ وہ اپنی خریداری کی منظوری کی اطلاع واپسی ڈاک سے بھیجدیں تاکہ پرچہ اُن کے نام مسلسل جاری رہے۔ وی۔ پی منگانے کی بجائے چندہ کی رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجنے سے تین آنے کا فائدہ رہتا ہے۔ چندہ سالانہ پانچ روپے۔ ششماہی تین روپے۔

مینیجر ہری جن، لاجپت رائے بھون لاہور

فہرست مضامین

ڈاکٹر گوپی چند بھارگو پرنٹر اور پبلشر نے امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ۔ لاہور میں چھپوا کر دفتر ہری جن، لاجپت رائے بھون لاہور سے شائع کیا۔